اجتہاد اور عصری تقاضے

پروفیسر ڈاکٹر محمد خالد مسعود

ہمارا ایمان ہے کہ اسلام مکمل دین ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کسی ایک وقت اور علاقے میں محدود دین نہیں بلکہ یہ ہر دور میں تمام انسانوں کے لئے صراط مستقیم ہے اور ہدایت کا پیام بر ہے۔ اس لحاظ سے ہر زمانے میں مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ دنیا کو پیش آنے والے مسائل کے بہتر سے بہتر حل تلاش کرنے میں پیش پیش ہوں۔ آج کا مسلمان بھی اس ذمہ داری سے بری نہیں۔ یہ بات صرف کہنے کی حد تک نہیں ہے بلکہ اسلام کی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ امت مسلمہ صدیوں سے ہر عہد میں ایک ممتاز اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ تہذیب کی حامل رہی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہوا ؟ اجتہاد کے اصول سے۔ اجتہاد اسلامی قانون میں تحقیق کے طریق کار کا نام ہے۔ مسائل کے حل کے لئے مکمل جدوجہد کا نام ہے۔ یہ مقاصد شریعت کی تکمیل میں حق تحقیق ادا کرنے کا نام ہے۔ اجتہاد پوری دینی ذمہ داری کے ساتھ انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے غورو فکر کا نام ہے۔

مسلمان جب تک اجتہاد کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے شریعت نے انہیں منزل سے بھٹکنے نہیں دیا۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ تیسری یا چوتھی صدی میں اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا۔ اجتہاد کا عمل کبھی نہیں رکا اور نہ رك سکتا ہے۔ ہوا یوں کہ جب مسلمان اجتہاد کے تقاضے پورے کرنے کی اہلیت کھو بیٹھے تو جمود کا شکار ہوگئے ۔ جمود

کے سائے لمبے ہوے تو اجتہاد کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں نے جنم لیا۔ اجتہاد کی جگہ تقلید کا اصول غالب آگیا۔ یعنی قرآن و سنت سے براہ راست رہنمائی کی جگہ فقہ اور فقہی مذاہب کو حرف آخر مانا جانے لگا۔ تقلید کو دین کی محافظ اور اجتہاد کو خطرناك سمجھا جانے لگا۔آج کی اولین ضرورت یہ ہے کہ ہم اجتہاد کے بارے میں ان بہت سی غلط فہمیوں کا جائزہ لیں جو جمود کے دور میں پیدا ہوئیں، انہیں دور کرنے کی کوشش کریں، عصری تقاضوں کو سمجھیں اور اجتہاد کے اصولوں کو اپناتے ہوے شریعت سے براہ راست رہنمائی کے اصول کو از سر نو زندہ کریں۔

اجتہاد کے بارے میں ایک بڑی غلط فہمی تو یہ ہے کہ اجتہاد کا مطلب کوئی نئی شریعت ایجاد کرنا ہے۔ اس غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ عام طور پر شریعت سے مراد فقہ اور فقہی مذاہب یعنی حنفی، مالکی، شافعی،اور جعفری مذاہب لئے جانے لگے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان مذاہب کی بنیادشریعت پر ہے لیکن در حقیقت یہ شریعت کی مختلف تعبیریں ہیں اسی لئے ہم ان سب کو ان کے اختلافات کے باوجود دائرہ اسلام کے اندر مانتے ہیں۔ تاہم فقہ کو شریعت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اجتہاد کی مخالفت میں یہ بھی کہا گیا کہ ان فقہی مذاہب کے قیام کے بعد اب کسی نئی تحقیق اور اجتہاد کی ضرورت نہیں رہی۔ ان مذاہب کے بانیوں اور اماموں کے بعد اب کوئی بھی اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اجتہاد کے لئے وہی اہلیت شرط ٹھہری جو ان اماموں کی خصوصیت تھی۔ کہا یہ گیا کہ چونکہ آج یہ اہلیت موجود نہیں اس لئے اجتہاد کا دروازہ اصولی طور پر نہیں تو عملی طور پربند ہے۔

یہاں شیعہ اور سنی فکر کی راہیں الگ ہو گئیں۔ شیعہ سوچ

کے مطابق امام کی غیر موجودگی میں اجتہاد اور بھی ضروری ہو جاتا ہے اس لئے اجتہاد کی اہلیت اور تربیت کا نظام قائم کرنا ضروری ہے۔ شیعہ فقہ میں اجتہاد ایک باقاعدہ ادارہ بن گیا اور مجتہد ایک مستقل منصب۔لیکن اس صورت حال نے ایک اور مسئلہ اٹھایا کہ بتدریج فقیہ کو ایک طرح کا دینی اقتدار حاصل ہوتاگیا جوبالآخر نظریہ ولایت فقیہ کی شکل میں سامنے آیا جس میں عوام کے نمائندہ اداروں پردینی رہنمائوں کی بالا دستی پر زور دیا گیا۔

یہ بات نہیں کہ کسی زمانے میں سنی مذاہب میں اجتہاد کا عمل رك گیا۔سچ تو یہ ہے کہ ماہرین فقہ ہر دور میں موجود رہے۔ انھوں نے لوگوں کو درپیش مسائل پر، جن میں اکثر نئے تھے، لکھا بھی اور فتوے بھی دئے۔ لیکن انہوں نے اسے اجتہاد کا نام نہیں دیا۔ اگر دیا بھی تواسے اجتہاد کے نچلے درجوں میں شمار کیا۔ اس سے یہ غلط فہمی عام ہوئی کہ سنیوں کے ہاں اجتہاد کا عمل ختم ہو گیا۔

دوسری بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ اجتہاد محض عقل کی بنیاد پر رائے قائم کرنے کا نام ہے اور یہ کہ اجتہاد کے لئے کسی تیاری، اہلیت اور تربیت کی ضرورت نہیں۔ حقیقت میں اجتہادبنیادی معنوں میں ریسرچ کا نام ہے۔ جس طرح ریسرچ کے قواعد و ضوابط ہوتے ہیں، شرائط ہوتی ہیں اور معیار ہوتے ہیں اسی طرح اجتہاد کے لئے بھی شرائط ہیں۔ اجتہاد کے لئے عربی زبان، قرآن، احادیث، تاریخ اسلام، اسلامی روایات اور فقہ کے سرمایے سے اتنی واقفیت لازمی ہے کہ ضرورت پڑنے پراجتہاد کرنے والا ضروری مواد کو تلاش کر سکے اور سمجھ سکے۔ اسے ان اصولوں کا بھی علم ہو کہ اس سرمایے سے پیش آمدہ مسائل کے حل میں رہنمائی کیسے حاصل ہو۔ اسے اپنے عہد کے تقاضوں، ثقافتی رویوں

اور عادات اور رسوم و رواج کا علم بھی ہو۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نا ممکن شرائط ہیں۔ ان کا مقصد اجتہاد کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔ ہمارے خیال میں ان بنیادی شرائط کو نا ممکن قرار دینا کم ہمتی ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ آج کے دور میں مسائل اتنے پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ ایک فرد کے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ تمام پہلوؤں سے مکمل طور پر واقف ہو۔ مثال کے طور پر آج کے مسائل کو پوری طرح سمجھنے کے لئے علم معاشیات، قانون، جدید علم طب اور دوسرے علوم ضروری ہو گئے ہیں۔ رویت ہلال کے مسئلے کو ہی لے لیں اس کے لئے علم فلکیات، علم حساب، جغرافیہ وغیرہ جانے بغیرکسی صحیح فیصلے پر پہنچنا مشکل ہے ۔ نظام حکومت کے مسائل پر بات کرنے کے لئے فقہ اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ دور حاضر کی تاریخ، علم سیاسیات، دساتیر کے قانون ، بین الاقوامی قوانین اور حقوق انسانی وغیرہ کی واقفیت ضروری ہو گئی ہے۔ کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ تمام علوم میں یکساں مہارت حاصل کر سکے۔

علوم کی وسعت، مسائل کے پھیلاؤ اور عصری تقاضوں کے پیش نظر اب انفرادی اجتہاد مشکل ہے۔ بعض مسائل ایسے ہیں کہ ایک فقہ کا ماہر دوسرے علم کے ماہر سے مشورہ کرکے معلومات حاصل کر سکتاہے لیکن مشورے کے اس طریق کار سے بہت سے مسائل الجھ بھی گئے ہیں کیونکہ جب تک مختلف ماہرین باہم بیٹھ کر ان مسائل کا تفصیل سے جائزہ نہ لیں اور ان کو پوری طرح سمجھ نہ لیں اتفاق رائے سے اس کا حل تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔

اسلامی روایات میں اسی لئے اجتہاد کے ساتھ اجماع پر زور دیا گیا ہے۔ اجماع کا مطلب ہے کسی بات پر اتفاق رائے۔ خلفائے راشدین

کے دور تک اجماع کے عمل میں تمام اہل رائے بلکہ تمام شہری شامل ہوتے تھے۔ بعد میں بعض وجوہات کی بنا پراجماع کے تصور کو صرف ماہرین فقہ تک محدود کر دیا گیا۔ اولین دور میں اجماع ایک عمل تھا جس میں لوگ ایک جگہ جمع ہوتے تھے اپنی اپنی رائے دیتے، دوسروں کی رائے سنتے، بحث کرتے اور جو اکثریت کا فیصلہ ہوتا اسے اجماع کہا جاتا۔ اختلافات شدت بھی اختیار کرتے لیکن کوشش یہی ہوتی کہ مسائل کو مل بیٹھ کر حل کیا جائے۔ بعد میں اجماع عمل کی بجائے روایت بنتا گیا۔اس میں ماہرین کا کسی جگہ جمع ہونا اور مل بیٹھ کر غورو خوض ضروری نہیں رہا۔ اگر کسی مسئلے پر مختلف ماہرین فقہ اپنی اپنی جگہ ایک ہی رائے کا اظہار کریں یا ایک ماہر فقہ کی رائے سے کافی عرصے تک کسی اختلاف کا علم نہ ہو تو اسے بھی اجماع کا درجہ دے دیا گیا۔ اجماع کے اس تصور سے مذاہب فقہ وجود میں آئے۔ان مذاہب کو اور اجماع کو حتمی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اجتہاداور اجماع نہ صرف الگ الگ عمل بن گئے بلکہ اجماع کے مقابلے میں اجتہاد کی حیثیت کمزور پڑ گئی۔ آج کے دور میں اجتہاد اور اجماع کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہے۔

اس کی ایک صورت تو اجتماعی اجتہاد کی ہے جس میں ماہرین فقہ انفرادی طور پر فتوی کی بجائے ایک ادارے کی صورت میں اجتماعی فتوی دیتے ہیں۔ پچھلے چند برسوں مین اجتماعی اجتہاد کو بہت مقبولیت ملی ہے اور بہت سے ادارے وجود میں آئے ہیں ۔ سعودی عرب میں المجمع الفقہ الاسلامی اور او آئی سی کی فقہ کمیٹی اس کی مثال ہیں۔ دور حاضر میں اس کی دوسری صورت اسمبلیاں یا شوری کی مجالس ہیں جس میں مسلم ممالک میں عوام کے نمائندے، ماہرین فقہ

کے ساتھ مل کر قانون سازی کرتے ہیں۔اجتماعی اجتہاد کی اس شکل پر اکثر تنقید ہوتی رہتی ہے۔ تاہم اس صورت کی اہمیت اس لئے کم نہیں کہ اس میں مختلف ماہرین کو اپنی بات کہنے اوراجتہاد اور اجماع کے عمل میں شامل ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔

آج کے دور میں اجتہاد کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی ہے۔ ایک تو قومی ریاستوں کے قیام سے امت مسلمہ کی وحدت کا تصور بدل رہا ہے۔ اس پر ہم کڑھتے تو بہت ہیں اور یہ شکایت بھی کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اتحاد نہیں رہا لیکن اس مسئلے پر جس قدر سنجیدہ غورو فکر کی ضرورت ہے اس کی طرف توجہ نہیں دے رہے۔ ایسا تصور دریافت کرنے کی ضرورت ہے جس میں ہر اسلامی ملک اپنی قومی شناخت بھی برقرار رکھ سکے اور امت مسلمہ سے اٹوٹ رشتہ بھی قائم رکھ سکے۔

اسی طرح کا ایک مسئلہ مسلم قومی ریاستوں میں بسنے والے غیر مسلم شہریوں کی حیثیت اور حقوق کا ہے۔ قدیم فقہ کے وقت ریاستی ڈھانچے اور تھے ۔ عالمی سطح پر بھی صورت حال بہت بدل گئی ہے۔ اب دنیا کو دار الاسلام اور دارالحرب یا مسلم اور حربی میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ مسلم ممالک بین الاقوامی رشتوں میں دوسرے ممالک سے بندھے ہیں۔ مختلف معاہدوں پر دستخط کر چکے ہیں۔ بین الاقوامی قانون موجود ہیں۔ ان حالات میں اجتہاد کی ضرورت بڑھ گئی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں جو حل طلب ہیں بلکه اجتہاد کے طریق کار پر بھی غور کی ضرورت ہے۔ اجتہاد کا موجودہ طریق کار قیاس کے اصول پر کام کرتا ہے۔ اس طریق تحقیق میں پیش آمدہ مسئلے پر نظائر کی بنیاد پر فیصلے کئے جاتے

ہیں۔ موجود قانون میں ایسی مثالیں تلاش کی جاتی ہیں جن کو بنیاد بنا کر نئے مسائل کا حل ڈھونڈا جا سکے۔ آج کے اکثر مسائل میں ایسے نظائر ملنا مشکل ہیں۔ یا تو مسائل نئے ہیں جن کی نظیرموجود نہیں یا مسائل کے سیاق و سباق بدل گئے ہیں اور نئی صورتوں سے مطابقت نہیں رکھتے۔

آج کا اجتہاد اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قیاس کی بجائے مقاصد شریعت کے اصول کو اپنایا جائے۔ فقہی سرمایہ بیش قیمت مواد فراہم ضرور کرتا ہے لیکن قرآن و سنت کی طرف رجوع لازمی ہے اور وہ بھی جزئی طور پر نہیں کلی طور پر۔ ایک حدیث یا ایک آیت سے نہیں اس موضوع پر تمام آیات اور تمام احادیث سے ان کے شان نزول اور تاریخی سیاق کو سامنے رکھ کر استدلال کی ضرورت ہے۔